ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2967

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: ملکیت اراضی، مزارعت، مساقات اور شفعہ کا اسلامی قانون (2967) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (بونس: 5 تا 9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: مساقات کی لغوی و اصطلاحی تعریف، مشروعیت اور حکمت (20 نمبر)

سوال نمبر 1: مساقات کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، مشروعیت اور حکمت بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

اسلامی فقہِ معاملات نے زرعی زندگی کے ہر بڑے مسئلے کے لیے الگ عقد دیا ہے۔ جس شخص کے پاس باغ ہو مگر وہ خود اس کی دیکھ بھال نہ کر سکتا ہو، اور جس شخص کے پاس محنت و مہارت ہو مگر باغ نہ ہو، ان دونوں کی ضرورت کو پورا کرنے والا عقد مساقات ہے۔ مساقات کا تعلق کھڑے درختوں اور ان کے پھل سے ہے، جبکہ اس کی قریبی بہن مزارعت کا تعلق زمین اور اس کی فصل سے ہے، اور یہ باریک فرق معاملات کی درستگی کے لیے نہایت اہم ہے۔ سوال میں تین امور پوچھے گئے ہیں: مساقات کی لغوی و اصطلاحی تعریف، اس کی مشروعیت یعنی شرعی جواز کے دلائل، اور اس کی حکمت یعنی وہ مصلحتیں جن کی بنا پر شریعت نے اسے جائز رکھا۔ اس جواب میں پہلے دونوں تعریفیں اور ان کے اجزاء بیان ہوں گے، پھر مشروعیت کے دلائل تاریخی عمل کی روشنی میں پیش کیے جائیں گے، درختوں اور پھلوں کی اقسام پر اس کے اطلاق کی حدود ذکر ہوں گی اور آخر میں اس کی حکمتوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

مساقات کی لغوی و اصطلاحی تعریف

مساقات سقی سے بنا ہے جس کے لغوی معنی پانی پلانے اور سیراب کرنے کے ہیں۔ باغبانی میں سب سے نمایاں اور مسلسل کام درختوں کو پانی دینا ہی ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس عقد کا نام مساقات رکھا گیا، اگرچہ اس میں پانی کے علاوہ گوڈی، کانٹ چھانٹ، حفاظت اور دیگر دیکھ بھال کے کام بھی شامل ہوتے ہیں۔ اصطلاح میں مساقات یہ ہے کہ باغ یا درختوں کا مالک اپنے پھل دار درخت کسی عامل کے سپرد کرے کہ وہ ان کی دیکھ بھال اور آبپاشی کرے اور اس کے بدلے پیدا ہونے والے پھل کا متعین حصہ، مثلاً نصف، تہائی یا چوتھائی، اس کا ہو اور باقی مالک کا ہو۔ اس تعریف سے عقد کے چار بنیادی عناصر واضح ہوتے ہیں: ایک فریق مالک ہے جو درخت دیتا ہے، دوسرا عامل ہے جو محنت دیتا ہے، موضوع وہ درخت ہیں جو پہلے سے کھڑے اور پھل دینے کے قابل ہوں، اور عوض مزدوری کی نقد اجرت نہیں بلکہ خود اسی پھل کا معلوم تناسبی حصہ ہے۔ یہی آخری عنصر مساقات کو اجارے سے الگ کرتا ہے، کیونکہ اجارے میں اجرت معلوم و متعین ہوتی ہے جبکہ یہاں عامل کی آمدنی پھل کی مقدار سے جڑی ہوتی ہے۔

مساقات کا اطلاق اصل میں ان درختوں پر ہوتا ہے جن کا پھل مقصود ہوتا ہے، جیسے کھجور، انگور، انار، آم اور دیگر پھل دار درخت۔ فقہاء نے اسی اصول کو بیلوں اور بعض جھاڑی دار پودوں تک وسیع کیا ہے جن کی دیکھ بھال درختوں جیسی ہوتی ہے اور جن کا حاصل پھل کی صورت میں ملتا ہے۔ اس کے برعکس جو زمین خالی ہو اور اس میں فصل اگائی جائے اس کا عقد مزارعت کہلاتا ہے، اور جو پودا صرف ایک موسم کا ہو اور اُگانے سے کاٹنے تک کا سارا عمل عامل کے ذمے ہو، اس میں بھی فقہاء نے مزارعت کے اصول زیادہ لاگو کیے ہیں۔ درختوں ہی پر عقد کرنے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ عقد کے وقت درخت موجود ہوں؛ غیر موجود چیز پر مساقات نہیں ہو سکتی۔ پھل کا حصہ تناسب سے متعین ہونا بھی عقد کی صحت کی بنیادی شرط ہے، اس لیے نصف یا تہائی جیسا شائع حصہ بہتر ہے، لیکن کل پھل میں سے اتنے کلو یا اتنے درختوں کا پھل جیسی تعیین اس عقد کو خراب کرتی ہے، جس کی تفصیل اگلے سوال میں آئے گی۔

مساقات کی مشروعیت

مساقات کی مشروعیت کی سب سے بڑی اور مشہور دلیل خیبر کا تاریخی واقعہ ہے۔ فتحِ خیبر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے یہودی کاشت کاروں کو اس شرط پر ان کے باغات و زمینوں پر برقرار رکھا کہ وہ محنت کریں گے اور پیداوار کا نصف انہیں ملے گا اور نصف مسلمانوں کو، اور یہ انتظام اس وقت تک قائم رہا جب تک انتظامی وجوہ کی بنا پر بعد کے دور میں انہیں وہاں سے منتقل نہیں کیا گیا۔ فقہاء نے اسی واقعے کو مساقات اور مزارعت دونوں کے جواز کی بنیاد قرار دیا ہے، کیونکہ یہ باقاعدہ ریاستی سطح پر ہونے والا وہ معاملہ ہے جس میں درخت اور زمین اہلِ خیبر کے پاس رہے اور پیداوار تناسب سے تقسیم ہوئی۔ صحابہ کرام کے دور میں بھی باغات اسی بنیاد پر دیے جانے کا عمل جاری رہا اور مدینہ و دیگر علاقوں میں اس پر کسی اصولی انکار کا ثبوت نہیں ملتا، جسے فقہاء نے عملی اجماع کی صورت قرار دیا ہے۔

بعض روایات میں زمین کو کرائے پر دینے کے بارے میں ممانعت کے الفاظ ملتے ہیں، جن کی بنا پر بعض محدثین و فقہاء نے احتیاط کی رائے بھی اختیار کی۔ فقہاء کی اکثریت نے ان روایات کی تشریح یہ کی ہے کہ ممانعت کا تعلق ان خاص صورتوں سے تھا جن میں پھل یا فصل کا کوئی غیر متعین اور جھگڑے کا سبب بننے والا حصہ متعین کر لیا جاتا تھا، مثال کے طور پر نہر کے کنارے والی فصل یا کسی مخصوص قطعے کی پیداوار ایک فریق کے لیے رکھ لینا، کیونکہ ایسی صورت میں دوسرے فریق کا حصہ مشکوک ہو جاتا تھا۔ جمہور فقہاء، یعنی

احناف، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی غالب آراء کے مطابق تناسبی حصے کے ساتھ مساقات جائز ہے، البتہ اس کی شرائط میں باہمی اختلاف ضرور ہے، مثلاً فقہِ شافعی میں مساقات کا دائرہ کھجور و انگور تک زیادہ مرکوز رکھا گیا ہے جبکہ احناف و دیگر کے ہاں پھل دار درختوں کی وسعت زیادہ ہے۔ طالب علم کو یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ اختلاف اطلاق اور شرائط میں ہے، خیبر کی دلیل سے ثابت شدہ اصل جواز پر نہیں۔

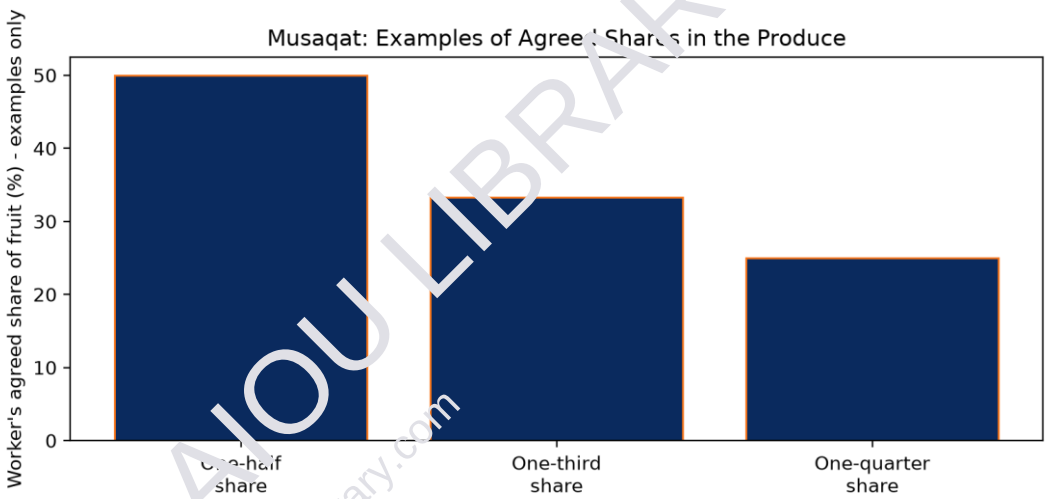

خاکہ 1: مساقات میں پھل کے باہمی متفقہ تناسبی حصوں کی مثالیں (اعداد صرف توضیحی ہیں؛ اصل حصہ فریقین کے معاہدے سے طے ہوتا ہے)

مساقات کی حکمت

مساقات کی پہلی حکمت باہمی تعاون اور وسائل کی تکمیل ہے۔ معاشرے میں ایک طبقے کے پاس باغات ہوتے ہیں مگر وقت، صحت، مہارت یا دورِ رہائش کی وجہ سے وہ ان کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا، جبکہ دوسرے طبقے کے پاس محنت و مہارت ہوتی ہے مگر سرمایہ اور درخت نہیں ہوتے۔ مساقات دونوں کو اس طرح جوڑتی ہے کہ باغ بھی آباد رہتا ہے اور مزدور کو بھی اس کی محنت کا ایسا صلہ ملتا ہے جو خود اس کی محنت کی پیداوار سے جڑا ہوتا ہے۔ دوسری حکمت حوصلہ افزائی اور نگرانی کی خودکاری ہے: نقد اجرت پر کام کرنے والے کی دلچسپی وقت گزارنے تک محدود ہو سکتی ہے، مگر جس کی آمدنی خود پھل کی مقدار و معیار سے بندھی ہو وہ درخت کی حفاظت، وقت پر آبپاشی اور نقصان سے بچاؤ میں خود

سے زیادہ محنت کرتا ہے، یوں مالک کو مسلسل نگرانی کا خرچ نہیں اٹھانا پڑتا۔ تیسری حکمت خطرے کی منصفانہ تقسیم ہے: قدرتی آفت سے پھل کم ہو تو کمی دونوں سہتے ہیں اور پھل اچھا ہو تو دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لیے یہ عقد سودی یا مقررہ اجرت والے نظام سے زیادہ متوازن سمجھا جاتا ہے۔

چوتھی حکمت زرعی اثاثوں کا تحفظ ہے۔ اگر باغات دیکھ بھال نہ ملنے سے اجڑنے لگیں تو قومی دولت کا بڑا نقصان ہوتا ہے؛ مساقات انہیں پیداواری عمل میں برقرار رکھتی ہے۔ پانچویں حکمت روزگار اور ہنر کی منتقلی ہے: عامل باغبانی کے تجربے سے سیکھتا ہے، اپنے خاندان کو روزگار دیتا ہے اور بعض اوقات خود بھی باغ کا مالک بننے کی استطاعت حاصل کر لیتا ہے۔ چھٹی حکمت معاشرتی انصاف ہے: شریعت نے اس عقد میں حصے کی تعیین کو مناسب سے لازم رکھ کر اس استحصال کا دروازہ بند کیا ہے جو مقررہ اجرت یا مبہم وعدے کی صورت میں کمزور فریق کے ساتھ ہو سکتا تھا۔ انہی حکمتوں کی وجہ سے عصرِ حاضر کی اسلامی مالیاتی و زرعی پالیسی میں بھی مساقات کو باغبانی و باغات کے انتظام کے ایک قابلِ عمل مقامی ماڈل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، البتہ کسی مخصوص جدید اسکیم پر اس کا اطلاق مستند اہلِ علم اور قانونی مشاورت ہی سے ہو سکتا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مساقات اپنے لغوی مفہوم میں سیرابی سے منسوب وہ عقد ہے جس میں مالک اپنے کھڑے پھل دار درخت عامل کی دیکھ بھال میں دیتا ہے اور پھل کا متعین تناسبی حصہ اس کی محنت کا عوض ہوتا ہے۔ اس کی مشروعیت کی بنیاد خیبر کا مشہور واقعہ اور صحابہ کے دور کا مسلسل عمل ہے، اور بعض ممانعت والی روایات کی تشریح فقہاء نے جھگڑے والی مخصوص صورتوں سے کی ہے۔ اس کی حکمتیں تعاون، محنت کی درست ترغیب، خطرے کی تقسیم، باغات کا تحفظ اور روزگار ہیں۔ مساقات کو مزارعت سے اس بات میں الگ رکھنا ضروری ہے کہ یہاں موضوع فصل نہیں، کھڑے درخت اور ان کا پھل ہے، اور یہی فرق آگے آنے والی بحثوں میں بھی کام آئے گا۔

سوال نمبر 2: عقدِ مساقات کے فاسد ہونے کی صورتیں اور صحیح مساقات کے اختتام پر تقسیم و ذمہ داریاں (20 نمبر)

سوال نمبر 2: وہ کون سی صورتیں ہیں جن میں عقدِ مساقات فاسد ہو جاتا ہے؟ نیز بتائیں کہ صحیح عقدِ مساقات کے اختتام پر پیداوار کی تقسیم اور ذمہ داریوں کے بارے میں فقہاء کا کیا موقف ہے؟ (20 نمبر)

تعارف

ہر عقد کی طرح مساقات کی درستگی بھی اس کی شرائط کے پورا ہونے پر موقوف ہے۔ اگر معاہدے میں ایسی شرط یا ایسی صورت شامل ہو جائے جو پھل کی مقدار میں جہالت، کسی فریق کے حصے میں ابہام یا عامل پر اس کی طاقت سے باہر ذمہ داری پیدا کر دے تو عقد فاسد ہو جاتا ہے اور پھر اس کے نتائج صحیح عقد سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ سوال کا پہلا حصہ انہی فاسد کرنے والی صورتوں کے بارے میں ہے، اور دوسرا حصہ پوچھتا ہے کہ جب عقد صحیح ہو اور اپنی مدت یا تکمیل پر ختم ہو جائے تو پھل کیسے تقسیم ہوتا ہے اور اس دوران پیدا ہونے والی ذمہ داریاں، یعنی کام کی تقسیم، اخراجات اور نقصان کی برداشت، کس کے ذمے ہوتی ہیں۔ اس جواب میں پہلے فساد کی عام وجوہ اور مخصوص صورتیں بیان ہوں گی، پھر فاسد عقد کے نتائج کا مختصر ذکر ہو گا، اور آخر میں صحیح عقد کے اختتام پر تقسیم و ذمہ داریوں پر فقہاء کے موقف کی تفصیل پیش کی جائے گی۔

عقدِ مساقات کے فاسد ہونے کی صورتیں

فساد کی سب سے بنیادی صورت پھل میں حصے کی غلط تعیین ہے۔ اگر عامل کا حصہ تناسب کے بجائے متعین مقدار میں رکھ دیا جائے، مثلاً یہ کہ کل پھل میں سے اتنے من یا اتنے درختوں کا پھل عامل کا ہو گا اور باقی مالک کا، تو عقد فاسد ہو جاتا ہے، کیونکہ اس صورت میں امکان ہے کہ پوری پیداوار ہی اس متعین مقدار کے برابر یا اس سے کم ہو اور ایک فریق بالکل محروم رہ جائے، حالانکہ مساقات کی بنیاد شراکت ہے جس میں دونوں کا حصہ ہر حال میں شائع یعنی تناسبی ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر پھل کا کچھ حصہ دونوں سے الگ کر کے کسی تیسرے یا کسی خاص مصرف کے لیے پہلے نکالنے کی شرط لگائی جائے، یا یہ شرط ہو کہ ایک مخصوص حصہ، مثلاً نہر کے قریب کے درختوں کا پھل، ایک فریق کا ہو گا، تو یہ بھی جہالت و جھگڑے کی وجہ سے فساد کی صورت ہے؛ تاریخی تنقید کا اصل ہدف بھی یہی صورتیں تھیں۔ دوسری صورت مدت کی شدید جہالت ہے: اگر معاہدہ ایسی نامعلوم مدت کے لیے ہو جس سے فریقین کے حقوق واضح نہ رہیں، تو عقد قابلِ تنازع ہو جاتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ درخت اس عقد کے قابل ہی نہ ہوں، مثلاً درخت ابھی موجود ہی نہ ہوں، یا وہ اس حالت میں نہ ہوں کہ پھل دیں، یا معاہدہ ایسے وقت میں ہو کہ پھل پک کر ختم ہو چکا ہو اور دیکھ بھال کا کوئی موضوع باقی نہ رہا ہو، تو عقد کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ چوتھی صورت عامل پر ایسی شرط کا عائد ہونا ہے جو مساقات کی نوعیت کے خلاف

ہو، مثال کے طور پر عامل سے باغ کی زمین خریدنے، اس پر عمارت بنانے یا درختوں کی ملکیت سے متعلق کوئی مستقل حق دینے جیسی شرائط جوڑ دینا، کیونکہ یہ امور دیکھ بھال کے دائرے سے باہر ہیں اور عقد میں غیر متعلق بوجھ پیدا کرتے ہیں۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ وہ کام جو اصل میں مالک کے ذمے ہوتا ہے، جیسے کنویں کی مرمت، دیوار و باڑ کی تعمیر اور آبپاشی کے بڑے مستقل انتظامات، عامل پر اس طرح ڈال دیے جائیں کہ عقد حقیقت میں مساقات کے بجائے کچھ اور بن جائے۔ چھٹی صورت پھل کی مکمل ملکیت کسی ایک فریق کو مشروط کر دینا ہے، کیونکہ اس سے شراکت کا مفہوم ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ فقہِ حنفی میں فاسد عقد بھی کچھ اثرات پیدا کرتا ہے: اگر فاسد مساقات کے تحت کام ہو چکا ہو تو عامل کو اس کی محنت کی اجرتِ مثل ملتی ہے اور سارا پھل مالک کا ہوتا ہے، تاکہ نہ عامل کی محنت ضائع ہو اور نہ غلط معاہدے کو صحیح کا درجہ ملے۔

جدول 1: مساقات کے فاسد ہونے کی اہم صورتیں

صورت	وجہِ فساد	نتیجہ (حنفی اصول)
حصہ تناسب کے بجائے متعین مقدار میں رکھنا	شراکت ختم؛ ایک فریق کی مکمل محرومی کا امکان	عقد فاسد؛ عامل کو اجرتِ مثل
مخصوص درختوں یا حصے کا پھل ایک فریق کے لیے	جہالت اور تنازعے کا سبب	عقد فاسد
درخت موجود نہ ہوں یا پھل کا موسم ختم ہو چکا ہو	عقد کا موضوع و مقصد فوت	عقد درست نہیں
نوعیت کے خلاف شرائط (تعمیر وغیرہ عامل پر)	غیر متعلق بوجھ اور ابہام	عقد فاسد ہو سکتا ہے
سارا پھل ایک فریق کے لیے شرط کرنا	شراکت کا مفہوم ختم	عقد فاسد

صحیح عقد کے اختتام پر پیداوار کی تقسیم

جب عقد صحیح ہو تو اس کا اختتام عموماً پھل کے پک کر تیار ہونے اور اس کی برداشت یعنی کٹائی و چنائی کے عمل پر ہوتا ہے، کیونکہ مساقات کا مقصد یہی پھل ہے۔ تقسیم کا اصول سادہ اور واضح ہے: جتنا حصہ معاہدے کے وقت تناسب سے طے ہوا تھا، پھل اسی تناسب سے مالک اور عامل کے درمیان تقسیم ہوتا ہے، اور تقسیم سے پہلے کسی فریق کو دوسرے

کی رضامندی کے بغیر پھل میں یکطرفہ تصرف کا حق نہیں ہوتا، کیونکہ پھل آغاز ہی سے دونوں کی مشترکہ ملکیت میں شمار ہوتا ہے۔ اگر پھل فروخت کر کے قیمت کی صورت میں تقسیم مناسب ہو تو باہمی رضامندی سے یہ صورت بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔ اگر معاہدے کے دوران کوئی فریق فوت ہو جائے تو اس کے وارثوں کے حقوق اور عقد کے جاری رہنے یا ختم ہونے کی صورتیں فقہ میں الگ بیان ہوئی ہیں، اور بنیادی اصول یہ ہے کہ پکا ہوا پھل اور قائم شدہ حقوق وارثوں کو منتقل ہوتے ہیں۔ اگر عامل معاہدہ ادھورا چھوڑ دے تو مالک کو دوسرے سے کام مکمل کرانے کا حق حاصل ہوتا ہے اور اس صورت میں عامل اپنے کیے گئے کام کے تناسب یا اجرتِ مثل کی بحث میں آتا ہے۔

اگر عقد مدت کے درمیان کسی جائز عذر سے ختم کرنا پڑے، مثلاً درخت شدید آفت سے ختم ہو جائیں یا عامل بیمار ہو جائے، تو فقہاء کے ہاں عذر کی صورت میں فسخ کی گنجائش موجود ہے، مگر اس کا حساب بھی طے شدہ حصے اور کی گئی محنت کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے تاکہ کسی کے حق پر زیادتی نہ ہو۔ اگر پھل ابھی درخت ہی پر ہو اور عقد ختم ہو جائے تو فقہاء نے عامل کے حق کی حفاظت کے لیے یہ اصول بھی رکھا ہے کہ اسے پھل کے تیار ہونے تک کام جاری رکھنے کا حق دیا جائے یا اس کے حصے کا مناسب حساب کیا جائے، کیونکہ اس کی محنت کا پھل اسی مرحلے پر سامنے آتا ہے۔ یہ تمام تفصیلات ایک ہی اصول سے نکلتی ہیں کہ مساقات میں پھل دونوں کی مشترکہ پیداوار ہے، اس لیے اختتام پر بھی تقسیم اسی شراکت کی بنیاد پر ہو گی، نہ مالک اکیلا سب لے سکتا ہے اور نہ عامل اپنے طے شدہ حصے سے بڑھ سکتا ہے۔

اختتام تک ذمہ داریوں کی تقسیم پر فقہاء کا موقف

ذمہ داریوں کی تقسیم میں فقہاء نے کام کی نوعیت کو بنیاد بنایا ہے۔ عامل کے ذمے وہ تمام کام ہوتے ہیں جن کا تعلق براہِ راست درختوں کی دیکھ بھال اور پھل کے حصول سے ہے اور جو ہر موسم میں دہرائے جاتے ہیں، جیسے آبپاشی، گوڈی و صفائی، کانٹ چھانٹ، کھاد دینا، پھل کی حفاظت اور اس کی چنائی میں حصہ لینا۔ مالک کے ذمے وہ امور ہوتے ہیں جن کا تعلق درخت اور باغ کی اصل بقا اور مستقل ڈھانچے سے ہو، جیسے نئے درخت لگانا، کنویں کی بڑی مرمت، باغ کی دیوار یا باڑ کی تعمیر و مرمت، اور آبپاشی کے بنیادی ذرائع یعنی نہر و کنویں کی اصل فراہمی۔ درمیان کے بعض اخراجات، جیسے مزدوروں کی وقتی خدمات، میں عرف کو دیکھا جاتا ہے اور فریقین معاہدے میں انہیں واضح بھی کر سکتے ہیں۔ اس تقسیم کی حکمت واضح ہے کہ جاری محنت عامل کی ہے اور سرمائے کی حفاظت مالک کی ذمہ داری ہے۔

نقصان کی برداشت میں بھی یہی میزان چلتا ہے۔ اگر درخت یا پھل کسی قدرتی آفت، جیسے شدید ژالہ باری، سیلاب یا ٹڈی دل کے حملے سے ضائع ہو جائے اور کسی فریق کی کوتاہی ثابت نہ ہو تو نقصان دونوں کا ہوتا ہے، کیونکہ دونوں کا حصہ کم ہو جاتا ہے اور عامل کی محنت بھی ضائع ہوتی ہے؛ کسی ایک پر اس کا تاوان نہیں ڈالا جاتا۔ لیکن اگر نقصان عامل کی غفلت سے ہوا ہو، مثلاً اس نے وقت پر پانی نہ دیا ہو یا حفاظت چھوڑ دی ہو، تو وہ ضمان کا ذمہ دار ہوتا ہے، اور اس کے برعکس اگر نقصان مالک کی طرف سے بنیادی انتظام میں کوتاہی سے ہو تو ذمہ داری اسی اصول پر مالک کی طرف لوٹتی ہے۔ فقہاء کے اس پورے نظام کا خلاصہ یہ ہے کہ مساقات اعتماد اور شراکت کا عقد ہے: حقوق بھی مشترک، خطرہ بھی مشترک، اور ذمہ داری محنت و سرمائے کی نوعیت کے مطابق تقسیم ہوتی ہے۔ کسی مخصوص تنازعے میں ان اصولوں کا اطلاق متعلقہ ثبوت دیکھ کر عدالت یا مستند اہلِ علم کرتے ہیں۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مساقات اس وقت فاسد ہوتی ہے جب پھل کا حصہ تناسب کے بجائے مقدار یا مخصوص درختوں سے جوڑ دیا جائے، مدت یا موضوع میں جہالت ہو، درخت عقد کے قابل نہ ہوں یا نوعیت کے خلاف شرائط لگا دی جائیں، اور فاسد صورت میں عامل کو اجرتِ مثل ملتی ہے اور پھل مالک کا رہتا ہے۔ صحیح عقد کے اختتام پر پھل طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوتا ہے، جاری دیکھ بھال عامل کے ذمے اور مستقل ڈھانچا مالک کے ذمے رہتا ہے، اور بلا کوتاہی ہونے والا نقصان دونوں برداشت کرتے ہیں۔ یہ متوازن نظام مساقات کو اجارے سے ممتاز بھی کرتا ہے اور دونوں فریقوں کے حقوق کو بھی محفوظ رکھتا ہے۔

سوال نمبر 3: شفعہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف، مشروعیت اور اقسام (20 نمبر)

سوال نمبر 3: شفعہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف، مشروعیت اور اقسام بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

غیر منقولہ جائیداد، خاص طور پر زمین اور مکان، کی خرید و فروخت میں ایک خاص مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مشترکہ یا ملحقہ جائیداد کسی اجنبی شخص کو بیچ دی جائے تو سابق شریک یا پڑوسی کو اس نئے آنے والے سے طویل مدتی تکلیف دہ تنازعات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس نقصان کی پیشگی روک تھام کے لیے شریعت نے ایک مخصوص ترجیحی حق دیا ہے جسے شفعہ کہتے ہیں۔ یہ حق خریدار کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں بلکہ ممکنہ مستقل ضرر کو شروع ہی میں ختم کرنے کے لیے ہے، اسی لیے اس کی شرائط نہایت سخت اور اس کے مطالبے کا طریقہ وقت کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ سوال میں شفعہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف، اس کی مشروعیت اور اس کی اقسام پوچھی گئی ہیں۔ اس جواب میں پہلے دونوں تعریفیں اور حق کے حامل یعنی شفیع کی وضاحت ہو گی، پھر مشروعیت کے دلائل بیان ہوں گے، اور آخر میں حق کے استعمال کرنے والوں کے درجات اور جائیداد کی نوعیت کے اعتبار سے شفعہ کی اقسام تفصیل سے پیش کی جائیں گی۔

شفعہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف

شفعہ شفع سے بنا ہے جس کے لغوی معنی جوڑا کرنے، ملانے اور کسی واحد چیز کے ساتھ دوسری چیز کو ملا کر دو کر دینے کے ہیں۔ اس کے مقابلے میں وتر یعنی طاق اور اکیلے کا لفظ آتا ہے۔ اس نام کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شفیع بیچی گئی جائیداد کو اپنی جائیداد کے ساتھ ملا کر جوڑا بنا لیتا ہے، یعنی جو حصہ اس سے جدا ہو کر کسی اور کے پاس جا رہا تھا وہ دوبارہ اس کی ملکیت میں شامل ہو جاتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں شفعہ اس ترجیحی حق کو کہتے ہیں جس کی بنا پر مشترکہ یا متصل غیر منقولہ جائیداد کے فروخت ہونے پر اس کا شریک یا قریبی حق دار، جسے شفیع کہتے ہیں، اس جائیداد کو خریدار سے اسی قیمت پر جس پر سودا ہوا تھا، جبراً حاصل کر سکتا ہے۔ اس تعریف سے شفعہ کے چار بنیادی عناصر سامنے آتے ہیں: جائیداد غیر منقولہ ہو، اس کی باقاعدہ بیع واقع ہوئی ہو، شفیع کا سابقہ مستقل حق اس جائیداد سے متعلق ہو، اور حصول اسی ثمن پر ہو جو اصل سودے میں طے ہوا تھا۔ خریدار کی رضامندی اس میں شرط نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسے ایک استثنائی جبری حق قرار دیتے ہیں اور اس کی سخت شرائط اسی استثناء کا توازن ہیں۔

شفعہ کا حق ہر پڑوسی یا ہر شریک کو خود بخود حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے مخصوص تعلق درکار ہوتا ہے۔ فقہِ حنفی میں یہ تعلق تین درجات میں ہوتا ہے جن کی تفصیل اقسام میں آئے گی۔ نیز یہ حق اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب ملکیت معاوضے کے ساتھ منتقل ہو، یعنی بیع جیسا مالی معاملہ ہو؛ مفت منتقلی، مثلاً ہبہ یا وراثت، میں شفعہ پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ شفیع کے لیے اسی قیمت پر لینا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ شفعہ کی مشہور شرائط میں جائیداد کا غیر منقولہ ہونا، اس کا قابلِ تقسیم ہونا بعض مکاتب میں، شفیع کی ملکیت کا سودے کے وقت موجود ہونا اور اس کا قانونی طریقے سے بروقت مطالبہ کرنا شامل ہے۔ ان شرائط کی سختی اس بات کا ثبوت ہے کہ شریعت خریدار کے اطمینانِ تجارت کو بھی اہم سمجھتی ہے، لہٰذا حق صرف اسی کو اور صرف اسی صورت میں دیا گیا ہے جہاں مستقل ضرر کا اندیشہ حقیقی ہو۔

شفعہ کی مشروعیت

شفعہ کی مشروعیت کی بنیاد کئی احادیث ہیں جن میں تقسیم نہ شدہ مشترکہ جائیداد میں شفعے کا اصول بیان ہوا ہے اور پڑوسی کو دوسروں کے مقابلے میں جائیداد کا زیادہ حقدار قرار دیا گیا ہے۔ حدیث کے مشہور مفہوم کے مطابق جب مشترکہ زمین یا باغ کے حصے اور راستے الگ الگ متعین نہ ہوں تو شفیع کا حق قائم ہوتا ہے، اور جب حدیں اور راستے الگ ہو جائیں تو وہ مخصوص مشترکہ بنیاد ختم ہو جاتی ہے، البتہ فقہِ حنفی میں پڑوسی کے حق کی دلیل الگ سے بھی احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ صحابہ کے دور کی عدالتی مشق میں بھی شفعے کے فیصلے منقول ہیں اور امت کے فقہاء کی اکثریت نے اس کے جواز پر عملاً اتفاق کیا ہے۔ بعض اہلِ علم نے کسی مخصوص روایت کی بنیاد پر اس کے ایک خاص درجے میں تردد کیا ہے، مگر اصل حق کا ثبوت اور اس پر صدیوں کا عدالتی عمل اسے فقہ کے مسلمہ ابواب میں شامل کر دیتا ہے۔ مشروعیت کی حکمت بھی اس کے دلائل کے ساتھ مل کر سمجھی جاتی ہے: شفعہ کا مقصد اجنبی شریک کے داخلے سے پیدا ہونے والے دائمی تنازعات، راستے و پانی کے جھگڑوں اور خاندانی رنجشوں کو سودے کے آغاز ہی میں ختم کرنا ہے۔

شفعہ کی اقسام

شفعہ کی اقسام دو اعتبار سے بیان کی جاتی ہیں۔ پہلی تقسیم شفیع کے درجے کے اعتبار سے ہے، جو فقہِ حنفی میں تین قسم کی ہے۔ پہلی اور سب سے قوی قسم شریک فی العین ہے، یعنی وہ شخص جو خود اسی جائیداد کی اصل میں شریک ہو، مثلاً دو بھائی مشترکہ زمین کے مالک ہوں اور ایک اپنا حصہ باہر کے شخص کو بیچ دے تو دوسرا بھائی پہلا شفیع ہے۔ دوسری قسم

شریک فی حقوق الارتفاق ہے، جسے خلیط بھی کہا جاتا ہے، یعنی وہ شخص جو جائیداد کی اصل میں شریک نہ ہو مگر اس کے ملحقہ حقوق، مثلاً راستے، پانی کے گزر یا نالی میں شریک ہو۔ تیسری قسم جار یعنی پڑوسی ہے، جس کی جائیداد بیچی جانے والی جائیداد سے بالکل متصل ہو۔ ان تینوں میں ترتیب یہ ہے کہ پہلا درجہ موجود ہو تو اسی کو حق ملتا ہے، اس کے نہ ہونے پر دوسرا اور پھر تیسرا درجہ آتا ہے، اور ایک ہی درجے کے کئی شفیع ہوں تو فقہی اصولوں کے مطابق ان میں تقسیم یا ترجیح طے ہوتی ہے۔ فقہِ مالکی و شافعی میں شفعہ عام طور پر صرف شریک تک محدود رکھا گیا ہے اور پڑوسی کو یہ حق نہیں دیا گیا، جبکہ احناف نے پڑوسی کو بھی تیسرے درجے میں شامل کیا ہے؛ یہ فرق اگلے سوال میں دلائل کے ساتھ زیرِ بحث آئے گا۔

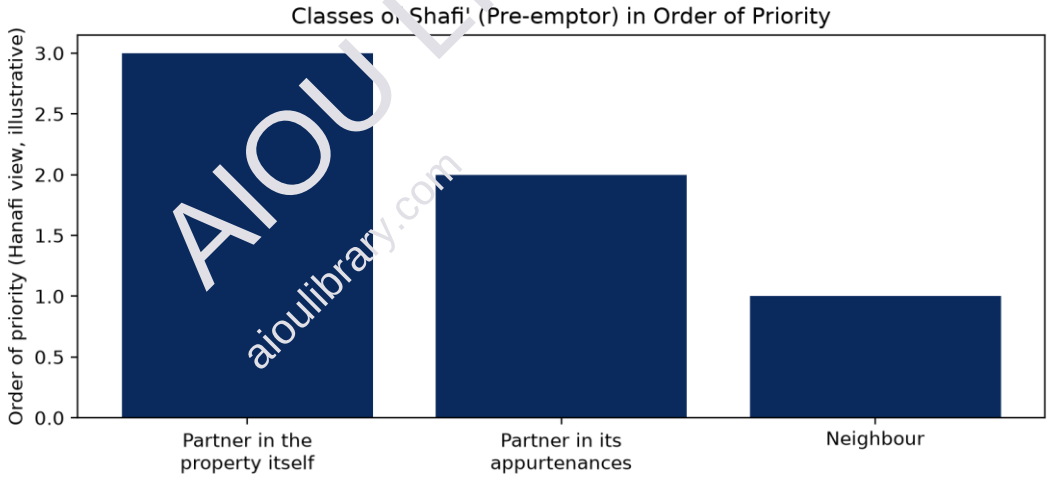

خاکہ 2: فقہِ حنفی کے مطابق شفیع کے تین درجات بلحاظ ترجیح (انگریزی تکنیکی لیبل کے ساتھ)

دوسری تقسیم جائیداد کی نوعیت کے اعتبار سے ہے۔ شفعہ صرف غیر منقولہ جائیداد یعنی زمین، مکان اور باغ میں ہوتا ہے، منقولہ چیزوں، جیسے جانور، کپڑا یا گاڑی، میں شفعہ نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں مستقل ہمسائیگی اور شراکت کا وہ ضرر پیدا نہیں ہوتا جو اس حق کی بنیاد ہے۔ غیر منقولہ میں بھی فقہاء کے درمیان قابلِ تقسیم اور ناقابلِ تقسیم جائیداد کی بحث موجود ہے: ایک رائے یہ ہے کہ چھوٹی جائیداد جسے تقسیم کرنے سے اس کا فائدہ ختم ہو جائے اس میں شفعہ نہیں، جبکہ حنفی موقف میں اصولاً شفعہ برقرار رہتا ہے۔ اسی طرح شفعے کا تعلق صرف بیع سے ہے، اس لیے جس جائیداد کی منتقلی ہبہ، وصیت یا میراث سے ہو وہاں یہ حق پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اقسام ظاہر کرتی ہیں کہ شفعہ ایک محدود اور مشروط حق ہے جس کی ہر کڑی کسی نہ کسی مصلحت سے بندھی ہوئی ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ شفعہ بیچی گئی غیر منقولہ جائیداد کو اسی قیمت پر حاصل کرنے کا وہ ترجیحی جبری حق ہے جو شریک، حقوق میں خلیط اور فقہِ حنفی میں پڑوسی کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کی مشروعیت احادیث اور مسلسل عدالتی عمل سے ثابت ہے اور اس کی حکمت دائمی ہمسائیگی کے تنازعات کی پیش بندی ہے۔ اس کی اقسام شفیع کے درجے کے اعتبار سے تین اور جائیداد کے اعتبار سے غیر منقولہ تک محدود بیان کی گئی ہیں۔ شفعے کے عمل کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حق مطالبے کے مخصوص مراحل اور بروقت اقدام سے وابستہ ہے، اور عملی کیس میں اس کا فیصلہ عدالت کا کام ہے، اس گائیڈ کا بیان خالص علمی ہے۔

سوال نمبر 4: حقِ شفعہ کا ناقابلِ انتقال اور ناقابلِ تقسیم ہونا — فقہِ احناف اور جمہور کے دلائل (20 نمبر)

سوال نمبر 4: حقِ شفعہ کے ناقابلِ انتقال اور ناقابلِ تقسیم ہونے سے کیا مراد ہے؟ فقہِ احناف اور جمہور فقہاء کے دلائل کی روشنی میں وضاحت کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

شفعہ کی بحث میں دو خصوصیات بار بار آتی ہیں: یہ حق ناقابلِ انتقال ہے اور ناقابلِ تقسیم ہے۔ بظاہر یہ دو مختصر جملے ہیں مگر ان کے پیچھے شفعے کی پوری فلسفیانہ بنیاد چھپی ہے کہ یہ حق مال کی طرح کی کوئی چیز نہیں بلکہ ایک شخص کے مخصوص تعلق سے پیدا ہونے والا دفعِ ضرر کا حق ہے۔ سوال میں پہلے دونوں خصوصیات کا مطلب پوچھا گیا ہے اور پھر یہ کہ اس باب میں فقہِ احناف اور جمہور فقہاء کے دلائل کیا ہیں، خصوصاً پڑوسی کے شفعے اور حق کی نوعیت کے معاملات میں جہاں دونوں کے درمیان معروف اختلاف ہے۔ اس جواب میں پہلے ناقابلِ انتقال ہونے کا مفہوم اور اس کے نتائج بیان ہوں گے، پھر ناقابلِ تقسیم ہونے کا مطلب مثالوں کے ساتھ واضح کیا جائے گا، اور آخر میں دونوں مکاتب کے دلائل کا تقابلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ یہ مسئلہ خالص علمی ہے؛ کسی زیرِ سماعت مقدمے میں ان دلائل کا اطلاق عدالت کا اختیار ہے۔

حقِ شفعہ کے ناقابلِ انتقال ہونے کا مفہوم

ناقابلِ انتقال ہونے سے مراد یہ ہے کہ شفیع اپنا حقِ شفعہ کسی دوسرے شخص کو بیچ نہیں سکتا، تحفے میں نہیں دے سکتا اور یہ حق اس کی میراث کے طور پر اس کے وارثوں کی طرف اس حیثیت سے منتقل نہیں ہوتا جس حیثیت سے مال منتقل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک شفعہ بذاتِ خود مال نہیں ہے بلکہ ایک حقِ مجرد ہے جو صرف اسی شخص کے لیے ثابت ہوتا ہے جس کا جائیداد سے شراکت یا ہمسائیگی کا تعلق ہو۔ مثال کے طور پر اگر کسی شریک کو شفعے کا حق حاصل ہو تو وہ اس حق کو کسی باہر کے شخص کے ہاتھ اس لیے نہیں بیچ سکتا کہ وہ شخص اس قیمت پر جائیداد لے لے، کیونکہ باہر کے شخص کے پاس وہ تعلق ہی موجود نہیں جس کی بنا پر یہ استثنائی حق دیا گیا تھا؛ حق کو اس کے سبب سے الگ کر کے بازار کی چیز بنا دینا اس کی پوری حکمت کو ختم کر دیتا ہے۔ اسی اصول کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ اگر شفیع جائیداد حاصل کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو حق کے باقی رہنے یا ختم ہونے میں فقہی تفصیل آتی ہے، جس میں کئی فقہاء نے مطالبے کے مراحل کو بنیاد بنایا ہے: جس نے باقاعدہ دعویٰ کر کے حق کو پختہ کر لیا ہو اس کے وارث اس دعوے کو آگے بڑھا سکتے ہیں، مگر جس نے کبھی مطالبہ ہی نہ کیا ہو اس کے حق کو وارث نیا حق بنا کر شروع نہیں کر سکتے۔

ناقابلِ انتقال ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شفیع اپنا حق خریدار سے معاوضہ لے کر چھوڑنے کی مستقل تجارت نہیں بنا سکتا۔ البتہ حق سے دستبرداری کی صورت الگ ہے: شفیع اگر اپنی مرضی سے حق چھوڑ دے یا مقررہ طریقے سے مطالبہ نہ کرے تو حق ختم ہو جاتا ہے، مگر یہ ساقط ہونا ہے، انتقال نہیں۔ اسی طرح صلح کی بعض صورتوں میں حق کے بدلے کچھ لینے کی بحث فقہ میں مختلف فیہ ہے اور اسے انتقال کے اصول سے الگ رکھ کر بیان کیا جاتا ہے۔ یہ باریک فرق عدالتی عمل میں بہت اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ اسی سے طے ہوتا ہے کہ حق کس کے پاس باقی ہے اور کس کا دعویٰ قابلِ سماعت ہے۔ مختصر یہ کہ حقِ شفعہ شخص اور اس کے مخصوص تعلق کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور تعلق ختم یا منتقل ہونے سے اس کی آزادانہ خرید و فروخت کا کوئی تصور اس نظام میں موجود نہیں۔

حقِ شفعہ کے ناقابلِ تقسیم ہونے کا مفہوم

ناقابلِ تقسیم ہونے سے مراد یہ ہے کہ شفیع بیچی گئی جائیداد کا صرف کچھ حصہ شفعے سے نہیں لے سکتا اور کچھ حصہ نہیں چھوڑ سکتا؛ اسے یا تو پوری جائیداد اسی قیمت پر لینی ہو گی یا پورا حق چھوڑنا ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جزوی شفعے سے خریدار پر وہی نقصان دوہرا ہو جاتا ہے جسے روکنے کے لیے یہ حق دیا گیا تھا: ایک طرف اس کی خریدی ہوئی چیز ٹکڑوں میں بٹ جائے گی اور دوسری طرف وہ جس جائیداد کو مکمل سمجھ کر خریدا تھا اس کا ایک حصہ اس کے پاس اور ایک حصہ شفیع کے پاس رہ کر وہی مشترکہ حیثیت برقرار رہے گی جسے ختم کرنا مقصود تھا۔ مثال کے طور پر اگر کسی نے ایک مکان خریدا ہو تو شفیع یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کا آدھا حصہ شفعے سے لیتا ہوں اور آدھا خریدار کے پاس رہنے دیتا ہوں۔ اسی اصول کی شاخ یہ ہے کہ اگر شفیع کا اپنا حصہ جائیداد کا تھوڑا سا ہو تب بھی وہ پوری بیچی گئی جگہ کا دعویٰ کر سکتا ہے، کیونکہ حق جائیداد کے پورے سودے کے مقابلے میں ثابت ہوتا ہے، شفیع کے حصے کی مقدار کے تناسب سے نہیں۔

اس اصول کی چند عملی صورتوں میں فقہاء نے مزید تفصیل بھی بیان کی ہے۔ اگر ایک ہی سودے میں کئی جائیدادیں اکٹھی بیچی گئی ہوں تو شفیع کا دعویٰ ان جائیدادوں تک محدود رہنے یا پورے سودے کو لینے کی بحث اسی تقسیم ناپذیری سے جڑتی ہے۔ اگر کئی شفیع ایک ہی درجے کے ہوں تو وہ آپس میں برابر کے حق دار ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا دستبردار ہو جانا دوسروں کے حق کو ختم نہیں کرتا۔ نیز اگر خریدار خود جائیداد کے کچھ حصے میں شفیع ہونے کی حیثیت رکھتا ہو تو مشترکہ درجات کی صورت پیچیدہ ہو جاتی ہے اور فقہاء نے اس کے حل بھی اسی اصول پر نکالے ہیں کہ جزوی قبولیت سے معاملہ نہیں بگڑنا چاہیے۔ یہ تمام تفصیلات ایک ہی بنیاد کی شاخیں ہیں کہ شفعہ سودے کو یا تو مکمل طور پر شفیع کی طرف منتقل کرتا ہے یا مکمل طور پر خریدار کے پاس رہنے دیتا ہے، آدھا تیتر آدھا بٹیر والی صورت اس میں نہیں چلتی۔

فقہِ احناف اور جمہور فقہاء کے دلائل

احناف اور جمہور کے درمیان اس باب میں سب سے مشہور اختلاف پڑوسی کے شفعے کا ہے۔ احناف کے نزدیک شفعہ تین درجات میں ثابت ہوتا ہے: شریک فی العین، شریک فی الحقوق اور پڑوسی۔ پڑوسی کے حق کی دلیل کے طور پر احناف ان احادیث کو پیش کرتے ہیں جن میں پڑوسی کو اپنی زمین و مکان کے سلسلے میں دوسروں سے زیادہ حقدار اس

وقت قرار دیا گیا ہے جب وہ متصل ہو، اور وہ روایات بھی جن میں زمین کے پڑوسی کے حق کا ذکر آیا ہے۔ احناف کی عقلی دلیل یہ ہے کہ شفعے کی علت مستقل ضرر کا دفع کرنا ہے، اور یہ ضرر شریک کے بعد سب سے زیادہ اسی پڑوسی کو پہنچتا ہے جس کی دیوار، دروازہ، راستہ اور روزمرہ زندگی نئے آنے والے کے ساتھ ہمیشہ جڑی رہتی ہے۔ اسی علت کی بنیاد پر وہ حق کو ناقابلِ انتقال و ناقابلِ تقسیم بھی شدت سے برقرار رکھتے ہیں، کیونکہ جب حق دفعِ ضرر کے لیے ہے تو اسے شخص سے الگ کرنا یا ٹکڑوں میں بانٹنا علت ہی کے خلاف ہے۔

جمہور، یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی غالب رائے کے مطابق شفعہ صرف غیر تقسیم شدہ جائیداد کے شریک کو حاصل ہوتا ہے؛ تقسیم شدہ جائیداد اور پڑوسی کو یہ حق حاصل نہیں۔ ان کی بڑی دلیل وہ حدیث ہے جس میں قانون اس طرح بیان ہوا ہے کہ شفعہ اس جائیداد میں ہوتا ہے جو تقسیم نہ ہوئی ہو، اور جب حدیں طے ہو جائیں اور راستے الگ کر دیے جائیں تو شفعہ نہیں رہتا۔ جمہور کے نزدیک یہ حدیث حق کے دائرے کی تعریف کرتی ہے، اس لیے پڑوس کے راستے سے آنے والی روایات کو وہ یا تو شریک کے خاص پس منظر پر محمول کرتے ہیں یا پڑوسی کی عمومی اخلاقی ترجیح کے طور پر لیتے ہیں، جبری قانونی حق کے طور پر نہیں۔ تقسیم ناپذیری اور انتقال ناپذیری میں جمہور بھی اصولی طور پر اسی نتیجے پر ہیں کہ حق ذاتی اور مکمل ہے، ان کا اختلاف حق کے حامل کے دائرے میں ہے، اس کی نوعیت میں نہیں۔ دونوں مکاتب کے دلائل کا یہ خلاصہ واضح کرتا ہے کہ اختلاف جزوی ہے: علت اور حکمت پر دونوں متفق ہیں، اختلاف اس پر ہے کہ حدیث کے الفاظ حق کو شریک تک محدود رکھتے ہیں یا ہمسائیگی کا تعلق بھی اسی علت سے شامل ہوتا ہے۔

جدول 2: احناف اور جمہور کے موقف کا تقابل

مسئلہ	فقہِ احناف	جمہور فقہاء
پڑوسی کا شفعہ	تیسرے درجے میں ثابت ہے	پڑوسی کو شفعہ نہیں؛ حق صرف شریک کا ہے
شریک کا شفعہ	پہلا اور قوی ترین درجہ	یہی اصل اور واحد درجہ ہے
حدیث کی تشریح	تقسیم والی حدیث مشترکہ بنیاد کی صورت؛ پڑوسی کی	تقسیم والی حدیث دائرے کی تعریف؛ تقسیم کے بعد

شفعہ ختم	روایات الگ دلیل	
اسی نوعیت پر اصولی اتفاق؛ اختلاف دائرے میں	ناقابلِ انتقال و ناقابلِ تقسیم ذاتی حق	حق کی نوعیت

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ حقِ شفعہ ناقابلِ انتقال اس معنی میں ہے کہ اسے بیچا، تحفے میں دیا یا آزاد میراث کی طرح منتقل نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ مال نہیں بلکہ شراکت و ہمسائیگی کے تعلق سے پیدا ہونے والا دفعِ ضرر کا ذاتی حق ہے، اور ناقابلِ تقسیم اس معنی میں ہے کہ شفیع کو پوری جائیداد لینی ہو گی یا حق چھوڑنا ہو گا، جزوی شفعہ جائز نہیں۔ اس نوعیت پر احناف و جمہور کا اصولی اتفاق ہے، اصل اختلاف پڑوسی کے حق کے دائرے میں ہے جہاں احناف علتِ ضرر کو وسیع کرتے ہیں اور جمہور تقسیم والی حدیث کو حد قرار دیتے ہیں۔ طالب علم کو اس بحث سے فقہی استدلال کا وہ اسلوب بھی سیکھنا چاہیے جس میں علت، حدیث کی تشریح اور عملی نتائج تینوں کو ملا کر رائے بنتی ہے۔

سوال نمبر 5: مشتری کا دعوائے شفعہ سے پہلے مشفوعہ جائیداد میں اضافہ اور اس کا حقِ شفعہ پر اثر (20 نمبر)

سوال نمبر 5: اگر مشتری شفعہ کے دعوٰی سے پہلے مشفوعہ جائیداد میں اضافہ کر دے، تو اس اضافے کا حقِ شفعہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ تفصیل سے وضاحت کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

شفعے کے عملی مسائل میں ایک نازک صورت یہ پیش آتی ہے کہ خریدار جائیداد خریدنے کے بعد اور شفیع کے دعوے سے پہلے اس میں کچھ اضافہ کر دیتا ہے، مثال کے طور پر خالی پلاٹ پر کمرہ تعمیر کر لیتا ہے، باغ میں نئے درخت لگا دیتا ہے یا زمین کی قیمت بڑھانے والی کوئی مستقل بہتری پیدا کر دیتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر شفیع آ کر اپنا حق استعمال کرے تو وہ اصل جائیداد کے ساتھ اس اضافے کو بھی اسی پرانی قیمت پر لے لے گا، یا اضافے کی قیمت بھی دے گا، یا اضافہ شفعے کی راہ میں رکاوٹ بن جائے گا۔ اس سوال کا درست حل اضافے کی اقسام کو الگ الگ کرنے پر موقوف ہے، کیونکہ ہر اضافہ ایک جیسا نہیں ہوتا: بعض اضافے جائیداد سے الگ کیے جا سکتے ہیں اور بعض اس میں

اس طرح گھل مل جاتے ہیں کہ جدائی ممکن نہیں رہتی۔ اس جواب میں پہلے اضافے کی اصولی تقسیم بیان ہو گی، پھر الگ ہونے والے اور نہ الگ ہونے والے اضافوں کا حکم، قدر و قیمت میں ہونے والے اضافے کا حکم، اور آخر میں وہ صورتیں جن میں خریدار کا عمل خود شفعے کو متاثر یا ساقط کرنے کا سبب بنتا ہے، تفصیل سے بیان کی جائیں گی۔ یہ بیان علمی ہے، کسی مخصوص مقدمے کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی۔

اضافے کی اصولی تقسیم

فقہاء نے جائیداد میں ہونے والے اضافے کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم اضافۂ منفصل یعنی الگ کیا جا سکنے والا اضافہ ہے، جسے خارجی یا ممیز اضافہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ خریدار خریدے ہوئے مکان میں الگ سے کوئی ایسی چیز نصب کرے جسے ہٹا کر لے جائی جا سکتی ہو، یا خالی زمین پر الگ تعمیر اس انداز سے ہو کہ اسے گرا کر اس کا سامان الگ کیا جا سکتا ہو، یا باغ میں لگائے گئے نئے درخت و پودے جنہیں اکھاڑا جا سکتا ہو۔ فقہی اصول یہ ہے کہ یہ اضافہ خریدار کی ذاتی محنت و سرمایے سے بنا ہے اور اصل سودے میں شامل نہیں تھا، اس لیے شفیع اسے اسی قیمت میں حاصل نہیں کر سکتا۔ دوسری قسم اضافۂ متصل یعنی جائیداد میں گھلا ملا اضافہ ہے، جو اصل چیز سے جدا نہیں ہو سکتا، مثال کے طور پر خریدی ہوئی عمارت میں ایسی مرمت و توسیع جو اس کا جزو بن گئی ہو، یا زمین میں وہ بہتری جو اس کی ذات میں شامل ہو گئی ہو۔ اس اضافے کا حکم الگ ہے کیونکہ یہاں شفیع کے لیے اصل کو اضافے سے جدا کرنا ممکن ہی نہیں رہتا۔

منفصل اضافے کا حکم

منفصل اضافے کی صورت میں فقہاء کا اصول یہ ہے کہ شفعے کا حق صرف اسی جائیداد پر چلتا ہے جو بیچی گئی تھی، اسی حالت اور اسی قیمت کے ساتھ جس پر سودا ہوا تھا۔ شفیع اگر اپنا حق استعمال کرے تو وہ اصل جائیداد اسی ثمن پر لے گا اور خریدار کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اپنا کیا ہوا منفصل اضافہ الگ کر کے لے جائے، بشرطیکہ الگ کرنے سے اصل جائیداد کو غیر معمولی نقصان نہ پہنچے۔ اگر اضافے کو الگ کرنے سے اصل جائیداد کو شدید نقصان پہنچتا ہو، مثال کے طور پر ایسی تعمیر ہو جسے گرانے سے اصل عمارت بھی تباہ ہو جائے، تو فقہاء نے توازن کی صورتیں نکالی ہیں: کبھی شفیع کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اضافے کی منصفانہ قیمت بھی دے کر پوری چیز لے لے، اور کبھی یہ دیکھا جاتا ہے کہ خریدار

نے اضافہ کس نیت اور کس وقت میں کیا تھا۔ یہاں وقت کا عنصر بھی اہم ہے: اگر خریدار نے شفعے کے مطالبے کی اطلاع ملنے کے بعد بھی تعمیر جاری رکھی تو اس کا رویہ حق کو ناکام کرنے کی کوشش سمجھا جا سکتا ہے اور اس صورت میں اسے اپنے اضافے کی اتنی رعایت نہیں ملتی جتنی اس شخص کو ملتی ہے جس نے بے خبری میں اور نیک نیتی سے تعمیر کی تھی۔

متصل اضافے اور قدر میں اضافے کا حکم

متصل اضافے کی صورت میں، جب اضافہ اصل جائیداد میں اس طرح شامل ہو گیا ہو کہ جدا کرنا ناممکن یا شدید نقصان دہ ہو، فقہاء کی غالب بحث یہ ہے کہ شفیع کے لیے دو میں سے ایک راستہ رہتا ہے: یا وہ اصل قیمت کے ساتھ اس اضافے کی موجودہ قیمت یا اس اضافے پر آنے والی لاگت کا منصفانہ بدل بھی دے کر پوری جائیداد لے لے، یا اپنا حق چھوڑ دے۔ اس حل کی منطق وہی ناقابلِ تقسیم ہونے کا اصول ہے جو پچھلے سوال میں بیان ہوا: شفیع ادھی چیز لے اور آدھی چھوڑ نہیں سکتا، اور چونکہ اصل و اضافہ اب ایک ہو چکے ہیں، اس لیے یا مکمل حصول ہو گا مکمل قیمت کے ساتھ، یا حق استعمال نہیں ہو گا۔ اس کے برعکس قدر و قیمت میں محض بازاری اضافہ، یعنی زمین کی قیمت عام مہنگائی یا علاقے کی ترقی کی وجہ سے بڑھ جانا، شفعے پر کوئی اثر نہیں ڈالتا: شفیع اسی پرانی قیمت پر جائیداد لے گا جو اصل سودے میں طے ہوئی تھی، خواہ اب اس کی مارکیٹ قیمت دوگنی ہو چکی ہو، اور اسی طرح قیمت گر جانے سے بھی شفیع کو پرانی قیمت ہی دینی ہو گی۔ یہ اصول شفعے کی تعریف ہی میں شامل ہے کہ حصول اسی ثمن پر ہوتا ہے جو بائع و مشتری کے درمیان طے ہوا تھا۔ اسی طرح درختوں کا قدرتی بڑھنا اور پھل کا پیدا ہونا جیسے قدرتی اضافے اصل کے تابع ہونے کی وجہ سے شفیع کے حصول میں شامل ہوتے ہیں، بشرطیکہ وہ بیع کے وقت موجود حقائق سے جڑے ہوں؛ خریدار کی اپنی کاشت یا اپنی لگائی ہوئی چیز اس اصول سے الگ پرکھی جاتی ہے۔

جدول 3: مشتری کے اضافے کی اقسام اور حقِ شفعہ پر ان کا اثر

اضافے کی قسم	مثال	حقِ شفعہ پر اثر
منفصل اضافہ	الگ کی جا سکنے والی تعمیر یا تنصیب	شفیع اصل جائیداد اصل قیمت پر لیتا ہے؛ مشتری اضافہ الگ کر سکتا ہے

شفیع اضافے کی منصفانہ قیمت بھی دے یا حق چھوڑے	اصل میں گھلی ملی توسیع و مرمت	متصل اضافہ
اصل کے تابع؛ شفیع کے حصول میں شامل	درخت کی نشوونما، اصل سے جڑا پھل	قدرتی اضافہ
کوئی اثر نہیں؛ حصول اصل ثمن پر ہی ہوتا ہے	مہنگائی یا علاقے کی ترقی سے قیمت بڑھنا	محض قیمت کا اضافہ
مشتری کو اضافے کی رعایت کم یا ختم	اطلاع کے بعد بھی تعمیر جاری رکھنا	مطالبے کے بعد بدنیتی سے اضافہ

اضافے سے متعلق دیگر صورتیں اور احتیاطی اصول

چند اور صورتوں کا ذکر بھی اسی باب میں ہوتا ہے۔ اگر خریدار مشفوعہ جائیداد میں سے کچھ حصہ کسی اور کو فروخت کر دے، ہبہ کر دے یا اس کی ہیئت اس طرح بدل دے کہ اصل چیز ہی ختم ہو جائے، مثلاً مکان گرا کر اس کی جگہ بالکل نئی اور مختلف عمارت کھڑی کر دے یا باغ ختم کر کے زمین کا استعمال بدل دے، تو شفیع کے حق کے باقی رہنے یا ختم ہونے میں فقہاء نے تفصیل بیان کی ہے اور عمومی رجحان یہ ہے کہ خریدار کے یکطرفہ عمل سے شفیع کا قائم شدہ حق ختم نہیں کیا جا سکتا، تاہم جائیداد کی اصل ہیئت کے بدل جانے پر حساب کتاب کی صورت بدل جاتی ہے۔ اگر اضافہ شفعے کے دعوے کے بعد عدالتی کارروائی کے دوران کیا گیا ہو تو وہ عموماً خریدار کے اپنے خطرے پر ہوتا ہے اور عدالت اسے شفیع کے خلاف استعمال نہیں ہونے دیتی۔ یہاں دو احتیاطی اصول دونوں فریقوں کے لیے اہم ہیں: خریدار کو شفعے کی ممکنہ صورت معلوم ہو تو بڑی تعمیر سے پہلے قانونی صورت حال واضح کر لینی چاہیے، اور شفیع کو اپنا مطالبہ ضابطے کے مطابق فوری کرنا چاہیے، کیونکہ شفعے میں تاخیر خود حق کو ساقط کر دیتی ہے اور مطالبے کا پہلا مرحلہ، جسے طلبِ مواثبہ کہتے ہیں، بیع کی خبر ملتے ہی بلا تاخیر کرنا اس نظام کی روح ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مشتری کا دعوائے شفعہ سے پہلے کیا گیا اضافہ خود بخود حقِ شفعہ کو ختم نہیں کرتا، بلکہ اس کا اثر اضافے کی نوعیت سے طے ہوتا ہے۔ منفصل اضافہ خریدار الگ کر سکتا ہے اور شفیع اصل جائیداد اصل قیمت پر لیتا ہے؛ متصل اضافے میں شفیع کو اضافے کی منصفانہ قیمت بھی دینا ہوتی ہے یا حق چھوڑنا ہوتا ہے؛ قدرتی اضافہ اصل کے تابع ہوتا

ہے اور محض قیمت کا بڑھنا یا گھٹنا شفعے پر بے اثر رہتا ہے کیونکہ حصول ہمیشہ اصل ثمن پر ہوتا ہے۔ اطلاع کے بعد بدنیتی سے کیا گیا اضافہ خریدار کو تحفظ نہیں دیتا۔ یہ پوری بحث

دکھاتی ہے کہ فقہِ شفعہ میں تین مفادات کا توازن رکھا گیا ہے: شفیع کا حق، خریدار کی نیک نیتی سے کی گئی محنت و سرمایہ کاری، اور تجارت کا استحکام۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com